نوائے رضا

سیّد آل رضا، رضاؔ

باہتمام محمد جواد نظامی پریس وکٹوریہ سٹریٹ لکھنؤ میں چھپی

نوائے رضا
سید آل رضا، رضا

مقدّمہ

یہ مختصر کتاب میرے بھائی سیّد آل رضا صاحب رضا کی کچھ پوری اور کچھ ادھوری غزلوں کا مجموعہ ہے، جس پر دیوان کا اطلاق بھی مشکل ہے، اِس مجموعہ کو پیش کرنے والا نہ زبان جانتا ہے، نہ شاعری، لیکن جب اپنی طبیعت کے موافق کوئی اچھا شعر سُن لیتا ہے تو کہنے والے کو دعائیں دیتا ہے اور اسی لئے اُسنے اپنے

بھائی کے واسطے کچھ اپنے ہی ایسے لوگوں کی دعائیں
فراہم کرنے کی غرض سے ان اشعار کو فراہم کر کے
طباعت کا انتظام کیا۔

مقدمہ لکھنے کیلئے بالعموم کوئی مشہور ادیب
نامی شاعر، بڑے رئیس، یا اعلے عہدہ دار کی مرعوب
کرنیوالی ہستی تلاش کی جاتی ہے، اور مقدمہ میں اکثر
مختلف مضامین و مسائل جو شعروں میں نظم ہوتے ہیں
تعریفی جلوس اور تعارفی دھوم دھام کے ساتھ پیش
کئے جاتے ہیں، شاعر کی سیرت اور مختصر سوانح عمری بھی
شاندار الفاظ میں بیان کی جاتی ہے، اور اکثر

بچپن کے معجزاتِ شاعری کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ ہمارے شاعر کیلئے ایسے مقدمہ کا سامان مہیّا ہو جانا مشکل نہ تھا، فقط بچپن کے معجزاتِ شاعری کی تصنیف میں ذرا تخیّل پر زور دینا پڑتا، لیکن اِس مختصر مجموعۂ کلام کو پیش کرنے میں نہ تعلّی مقصود ہے نہ خودنمائی، اور "ہرچہ از دل خیزد بردل ریزد" پر دل سے یقین رکھنے والا اگر "حاجتِ مشّاطہ نیست روئے دل آرام را" کے مشہور قول پر عمل کرے تو کوئی تعجّب کی بات نہیں ہے۔

اب رہی شعر و شاعری کی بحث، اِسکے لئے

دیوانِ حالی کے مقدمے کے بعد ایک دوسرا مقدمہ لکھنا،
انھیں لوگوں کیلئے سزاوار ہے جو کچھ دعویٰ رکھتے
ہیں اور واقعی کچھ لکھ بھی سکتے ہیں، شعر کیا ہے؟
اور اچھا شعر کیسا ہونا چاہیئے؟ اِن دونوں باتوں کا
فیصلہ میرے لئے دشوار ہے، قدیم عبرانی اور
سُریانی میں تو شعر کے لئے وزن بھی ضروری نہ تھا
بعد کو وزن کے علاوہ ردیف وقافیہ بھی لازم کرلیا گیا
لیکن اِن تمام لوازم کی موجودگی میں بھی محض موزوں
کلام اور منظوم خیالات کو زیادہ سے زیادہ نظم کہہ سکتے
ہیں، شعر کی ایسی جامع تعریف، جو ہر مُلک، ہر زمانہ

اور ہر انسان کے ذوق طبیعت کے موافق ہو، اُسی طرح
مشکل ہے جس طرح حُسن، کی جامع تعریف، اچھے شعر کا معیار،
یا اشعار میں خوبی کے مدارج قائم کرنا تو اور بھی دشوار ہے
جو کام کسی سے نہ ہو سکا وہ مجھ سے کیا ہو گا۔

آجکل دنیائے شاعری میں خود غالب کی بدنام
کرنے والی غالب کی کورانہ تقلید کا طوفان برپا ہے اور
آئے دن جدید خانہ ساز مرکبات نیم حکیموں، کے ہاتھوں
تیار ہو کر ہماری شاعری کیلئے خطرۂ جان بن رہے
ہیں، اگر یہ حالت نہ ہوتی اور یہ خوف نہ ہوتا کہ ان شعر دنکی
سادگی اُن کے حُسن کو بدمذاقوں کی نگاہ سے چھپا دیگی،

تو میں یہ چند سطریں کبھی نہ لکھتا اور اِس مجموعۂ اشعار کو
بغیر دیباچہ یا مقدمے کے یونہیں شایع کر دیتا،
شاعری اور خصوصاً تغزُّل جذباتِ لطیف کی
الفاظِ مناسب میں ایسی تصویر کھینچنے کا نام ہے، جو نہ
بے بنیاد ہو نہ اصلیت سے متجاوز، جو نقشہ کسی شعر میں
کھینچا جائے اُس کو کسی قلبی حالت یا دِلی کیفیت کا
صحیح عکس ہونا چاہئے، جو خیال اپنے اثر اور جوشِ
بیان کیلئے جن لفظوں کے انتخاب کا طالب ہو
انھیں لفظوں میں ادا کیا جائے اور لفظوں کی ترکیب
اور اسلوبِ بیان بھی اُسی کے حسبِ حال ہو، استعارہ ہو

یا کنایہ، تشبیہ ہو یا صنعت، اگر بے تکلفی سے خیالات کی رَو میں آجائیں تو مضائقہ نہیں، یہی اپنے دل سے موافق شاعری ہے جسمیں شاعر کی کامیابی کے مختلف مدارج ہیں۔

اس بات کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ اگرچہ شاعر سب سے پہلے اپنے ماحول سے متأثر ہوتا ہے اور شاعری انسانی معاشرت کی تاریخ کا خلاصہ ہے اسی لئے ہر زمانے کے مذاق اور بول چال کے ساتھ شاعر کی طبیعت اور اسلوب بیان بھی بدلتا رہتا ہے تاہم تجربہ بتاتا ہے کہ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو ہر زمانہ

میں یکساں پسند کی جاتی ہیں، اور فطرت انسانی اور
نظامِ عالم کے ساتھ ہمیشہ برقرار رہتی ہیں، میر کے
"ٹک" اور "تیں" سے اب لوگ احتراز کرتے ہیں،
لیکن زمانہ میر کے نشتروں کو اب تک زنگ آلود
نہ کر سکا، خوش نصیب ہے وہ شاعر جسکی اُفتادِ طبیعت نے
اس کی شاعری کی بنیاد ایسے ہی غیر فانی جذبات
پر رکھی ہو۔

شعر و شاعری کے اِس مختصر ذکر سے غرض یہ ہے
کہ اِس مجموعہ میں جس کا کلام پیش کیا جاتا ہے اسکی توجہ
تمامتر انھیں باتوں کی طرف ہے اور وہ غزل کو غزل کے

نہایت نازک اور لطیف حدود میں رکھ کر جذبات دلی
کی مصوری کرنے کا متمنّی ہے، طبیعت سے مجبور ہوں کہ
مجھے بھی وہی شعر پسند آتے ہیں جو اس رنگ میں کامیابی
کے ساتھ کہے گئے ہوں، اب وہ شعر میرے بھائی کے
ہوں یا کسی اور کے، اِن اشعار کو طباعت کے رہین مِنّت
کرنے کی خاص وجہ یہی ہوئی کہ یہ مجھے پسند آئے، اور
اُنکا ضایع ہوجانا گوارا نہ ہوا، نہ میرے دل پر کسی کا
اختیار ہے، نہ کسی کے دل پر میرا قابو، پھر بھی اتنا ضرور
کہہ سکتا ہوں کہ جو لوگ نرم اور شیریں الفاظ میں نازک
اور لطیف جذبات کی ترجمانی سے مزہ لے سکتے ہیں،

اُن کے لئے تو یہ مختصر مجموعہ خالی از لطف نہوگا، لیکن جن لوگوں کو صُراح و قاموس کے الفاظ کی ترکیبیں تلاش کرنیکا مرض ہے اُنکے لئے یہ نسخہ بے اُثر ہے۔

اِس کلام کی ترتیب میں مروّجہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا ہے، حضرت رَضا نے ۱۹۲۲ء سے باقاعدہ غزل کہنا شروع کیا اور اسوقت تک زیادہ سے زیادہ ستّر، پچھتّر غزلیں کہی ہونگی، ان میں سے اب انھیں جو کچھ یاد رہ گیا ہے وہ جہاں تک ممکن ہوسکا، زمانۂ تصنیف کے لحاظ سے مرتّب کر دیا گیا ہے، پہلی غزل پہلے اور آخری غزل آخر میں درج ہے، بعض غزلیں

ناتمام بھی ہیں، کچھ تو پہلے ہی سے ناتمام تھیں کچھ اب ناتمام ہو کر رہ گئی ہیں انسان کی یاد سرکاری خزانہ کا کام کس طرح دے سکتی ہے، بھائی صاحب کی طبیعت بھی اس مسئلہ میں عجب طرح کی واقع ہوئی ہے، جس کے کلام کو ایک حد تک اچھی خاصی مقبولیت حاصل ہوئی ہو، وہ اپنے کلام کو یوں ضایع کر دے! اسکے سوا اور کیا کہوں کہ شاعر نام ہے ایک عجیب شے کا! حضرات شعرا ایک غیر شاعر کی اس گستاخی کو معاف فرمائیں ۔

اس ترتیب سے یہ فائدہ بھی ہے کہ اہل طبیعت اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح ایک غزل سے دوسری

غزل میں تدریجی ترقی نمایاں ہوتی گئی ہے ، نیز یہ کہ
ایک شاعر کی اس فنِ لطیف سے دلی مناسبت اور
اُستادِ باکمال کی صحیح تعلیم نہایت قلیل مُدّت میں کیا کچھ
کرسکتی ہے ، اس جگہ پر یہ کہنا بھی ضروری معلوم
ہوتا ہے کسی فن کی تحصیل میں بالعموم نہ تنہا طباعی سے
کام چلتا ہے ، نہ محض تعلیم سے ، اس کے لئے شاگرد میں
حصولِ فن کی صلاحیت ، اور اُستاد میں طبیعت شناسی
کے ساتھ صحیح رہنمائی کی قابلیت ضروری ہے ،
سُہائی صاحب کو جناب سیّد انور حسین صاحب آرزو
لکھنوی سے شرفِ تلمّذ حاصل ہے ، جنکی فنّی معلومات

اور اصلاح کی قوت اُن کی خوشگوئی سے زیادہ مسلم اور
بجا طور پر مشہور ہے، جہانتک مجھے واقفیت ہے وہ
نہ کبھی کسی کو کوئی شعر کہکر دیتے ہیں اور نہ اصلاح میں
اتنی ردّ و بدل کرتے ہیں کہ شعر اپنی اصلیت کھو بیٹھے
یا رنگِ کلام بدل جائے، کلام سے عیب دور کرنا
تو مصلح کا فرضِ اوّلیں ہے، مگر ادنیٰ تغیر سے ترقّی کا
راستہ دکھا دینا جناب آرزو کی خصوصیات سے ہے
اُسی کا نتیجہ ہے کہ آج اُن کے اکثر شاگرد مرتبۂ اُستادی
رکھتے ہیں اور پختہ کار شاعر مانے جا رہے ہیں،
ناشکری ہوگی اگر میں مکرّمی جناب شیخ

ممتاز حسین صاحب جونپوری کے اُس مفید مشورے اور مدد کا اعتراف نہ کروں جسکے بغیر مجھے "نوائے رضا" کی ترتیب و طباعت کے انتظام میں سخت دقت ہوتی۔

احقر- کاظم رضا

ایٹہ ۲۴ر اگست سنہ ۱۹۲۹ء

عرضِ حال
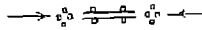
دوستوں کے اصرار نے ۱۹۲۲ء میں مجھ سے اکثر
موقعوں پر غزل کہلوانا شروع کیا اور چھوٹے بھائی کی ضد
اور عالی حوصلگی نے ۲۹ء میں اُن اشعار کو طباعت کیلئے
جمع کروایا، جنمیں سو (۱۰۰) فی صدی تو لکھکر کہے نہیں گئے تھے
اور نوے (۹۰) فیصدی کہکر لکھے نہیں گئے، یہ دس (۱۰) فیصدی
کا فرق بھی محض اصلاح حاصل کرنے کی ضرورت سے پیدا ہوا

لیکن اسطرح جو کچھ ضبط تحریر میں آیا۔ وہ بھی میرے
لاُابالی پن کی بدولت محفوظ نہ رہ سکا،

اس بکھرے ہوے شیرازے کو جمع کرنے میں یاد
کہانتک ساتھ دیتی، خصوصًا ایسی حالت میں کہ مجھے پیشۂ
وکالت کی مصروفیتوں سے بہت کم فرصت ہے، نتیجہ اس
مختصر مجموعۂ اشعار کی حالت سے ظاہر ہے، اکثر غزلیں
ناتمام، بعض کے صرف دو ایک شعر، جو کچھ یاد آیا، اُسکے
علاوہ بہت سی غزلیں اور اشعار ایسے بھی ہیں جنکا کہنا تو
یاد ہے، مگر یہ یاد نہیں کہ کیا کہا تھا،

میں نے ابتک جو کچھ جس طرح کہا، اُسکے متعلق

کبھی یہ خیال ہی نہیں پیدا ہوا کہ مشاعروں یا پنج کی
صحبتوں کے علاوہ اسکی صورت [illegible]
شعر گوئی کو جو میرے لئے [illegible] حصہ رہا ہے
میں نے اپنے لئے نہ کبھی باعث نام و نمود سمجھا، نہ اب
سمجھتا ہوں، اس وجہ سے نہیں کہ شاعری اس قابل
نہیں ہے بلکہ اس خیال سے کہ میں اس قابل نہیں ہوں
اگر ارباب ذوق میری غزل گوئی کو ایک ادنیٰ سی ادبی
خدمت سمجھیں تو میرے لئے موجب صد افتخار ہوگا،

غزل نظم کی ایک نہایت لطیف اور نازک صنف ہے
میرے خیال میں اسکی منزل شوقیانہ پستی اور خشک

فلسفیانہ بلندی کے درمیان میں ہے، افراط و تفریط کے
بیچ سے راستہ نکالکر اس منزل تک پہونچنا کچھ آسان کام
نہیں ہے اور نہ میرے نزدیک یہ اپنے بس کی بات ہے،
غزل کہتے وقت مجھ پر جو ایک خاص کیفیت، وقتاً فوقتاً
تھوڑی بہت طاری ہوتی رہی ہے، اُس سے یہ اندازہ
کرسکتا ہوں کہ واقعی اچّھا شعر کہنا بس اسی کیفیت خاص،
کا کرشمہ ہے، جسوقت یہ کیفیت جتنی ہوگی، اُسوقت
اتنا ہی اچّھا شعر نکلے گا، اس کیفیت کو کوئی بیان
کرکے سمجھا نہیں سکتا، جسپر گذرتی ہے وہی جانتا ہے،
شراب کے نشہ سے میں واقف نہیں ہوں، ممکن ہے

کہ انہیں بھی کچھ ویسا ہی وارفتگی کا عالم ہوتا ہو۔

جبتک میں اس کیفیتِ خاص سے آگاہ نہ تھا، میں بھی خدائے سخن میرؔ کی اکثر ان باتوں پر عام لوگوں کی طرح ہنسا کرتا تھا، جنکو آدم بیزاری، تکبّر، یا بد دماغی کہا جاتا ہے، اللہ اکبر! جو اس کیفیتِ خاص میں ڈوبکر ہمہ وقت ایک دوسرے عالم میں رہے اُسے اس دنیا کی باتوں سے کیا سروکار!

میری نظر انتخابِ غزل کے اُس شعر پر ہرگز نہ پڑے گی جسکا اِس کیفیتِ خاص سے کوئی تعلق نہ ہو، رہا بے تکی میٹھی میٹھی لفظوں، یا شاعر کے سمجھانیسے بھی

نہ سمجھ میں آنے والے خیالات یا خواہ مخواہ مرعوب کرنیوالی
ترکیبوں کا گھروندا بنا دینا، اسپر ہر وہ شخص قادر ہو سکتا
ہے جسے شاعری کے اصول موضوعہ روزمرہ کے استعمالی
الفاظ یا عربی، فارسی سے واقفیت ہو اور موزوں کرلینا آتا ہو
غزل میں حسن وعشق کے مضامین کے علاوہ تصوف، فلسفہ،
اخلاق، مذہب وغیرہ وغیرہ سب کچھ کہا جا سکتا ہے اور
خوب کہا جاتا ہے لیکن کیا کہا جائے کب کہا جائے اور
کس طرح کہا جائے، اسکی مجموعی صلاحیت ہم میں سے
بہتیروں میں تو ہے ہی نہیں اور اگر بعض میں ہے بھی تو وہ
اُن کے کلام میں کہیں کہیں پر ظاہر ہوگئی، بس، باقی ہوس

اِس کیفیت خاص کی سرکار سے مجھے بتدریج کیا ملا

اور کتنا ملا، اس کا فیصلہ اُن صاحبانِ ذوقِ سلیم کے ہاتھ ہے

جن کے سینہ میں دل اور دل میں گداز ہے، وہی یہ فیصلہ بھی

کرینگے کہ میرے پیارے بھائی سید کاظم رضا سلمہ اللہ تعالیٰ کا

میرے اشعار کو یکجا کرکے بحالتِ موجودہ چھپوانا، کوئی

ادبی خدمت بھی ہے یا محض جذبۂ برادر نوازی ؟ اگر مجھے

اس کا یقین ہوتا کہ کچھ دنوں اور زندہ رہونگا اور سلسلۂ کلام

بھی جاری رہے گا تو کم سے کم میں تو انکی اِس کوشش کو

ابھی قبل از وقت ضرور سمجھتا ،

بگڑے ہوئے مذاق کا رونا کہاں تک رویا جائے ،

آج کل زبان کو اُلٹی چھُری سے حلال کرنا، حسنِ بیان کو
زبان کہنا، محض صحت زبان کو فصاحت سمجھنا، مُبہم بیان
اور مغلق الفاظ کو بلاغت سے تعبیر کرنا، اعلیٰ مضامین
کو سلجھا کر نظم کرنے کو "سیدھا سادھا کہنا"، تصوّر کرنا ایک
معمولی بات ہے، میں نہ مُصلح کا خلعت زیب تن کرکے نکلا ہوں
اور نہ ادعائے شاعری یا اُستادی کی دستار میرے سر پہ ہے،
جو کچھ اور جس طرح میرے دل نے مجھ سے کہلوایا میں نے کہا،
میں خود کو کیا سمجھتا ہوں اور اپنے کلام کو کس نظر سے
دیکھتا ہوں، اِسی سے ظاہر ہے کہ بہت کم کہا، جو کچھ
کہا اُسے لکھ کر جمع تک نہ کیا، اور اب جو سعادتمند بھائی

کے اصرار سے لکھنے بیٹھا، تو اُن غزلوں کو بھی لکھ دینے میں
کچھ تامل نہ کیا، جو بالکل ابتدا میں کہیں تھیں،

مرہونِ منت ہوں

اپنے پرتاب گڑھ کے اُن احباب کا، خصوصاً
جناب شیخ نجم الحسن صاحب حسن (ایڈوکیٹ پرتاب گڑھ) کا
جنھوں نے اصرار کر کے مجھ سے غزلیں کہلوائیں، اور ایک
مبتدی کا دل بڑھایا،

اپنے استادِ مکرم جناب سید انور حسین صاحب آرزو
لکھنوی کا، جنکی اصلاحِ کامل نے مجھے میرے مذاق کے
مطابق صحیح راستہ پر چلنے میں بے انتہا مدد دی،

بزرگِ محترم جناب محمد احمد صاحب سجّود، موہانی

ایم اے منشی فاضل، (پروفیسر شیعہ کالج) کا جنھوں نے بھی

بکمالِ شفقت بعض اوقات میری رہنمائی کی،

لکھنؤ اور بیرونجات کے اُن اساتذۂ شعراء اور

اہلِ ذوق کا جنھوں نے خاص صحبتوں اور عام جلسوں میں،

نہایت شفقت اور خلوص کے ساتھ میری ہمّت اور

عزت بڑھائی، اور جنکے سبق آموز کلام اور ادب آموز

صحبت سے میں نے برابر فائدہ حاصل کیا اور بشرطِ موقع

مرتے دم تک حاصل کرتا رہونگا،

اور بالآخر اپنے قوتِ بازو، برادرِ سعید،

سید کاظم رضا صاحب سلمہٗ کا جنھوں نے اپنے بڑے بھائی،
کے باقی ماندہ کلام کو ضایع ہونے سے بچانے کے لئے،
نہایت خوبی سے اسکی طباعت کا اہتمام کرکے، ایسی
سعادتمندی کا ثبوت دیا جسے غالبًا اِس زمانہ میں اکثر
چھوٹے بھائی پڑھ لکھ کر اور مدارج اعلی پر پہونچکر
اپنے لئے خلافِ شان اور مُفت کی دردِ سری سمجھتے،

خاکپاے اہلِ ذوق
رضا

ہدیہ

یہ ناچیز ہدیہ نہایت عقیدت، عاجزی اور لجاجت کے ساتھ اُس حضرتِ لطیف

اعلیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں جس پر نظامِ عالم کا دارومدار ہے، جو بندہ ہو کر

بندوں بلکہ خدا سے ملاتا ہے جس کو مدارجِ رسالت میں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے امتیازِ خصوصی

کی سند مل چکی ہے، جس کے قدموں پر شہادتِ عظمیٰ کا خون مگر حسین پیراہن جنت

بیٹھ چکا ہے جس کی دلکش فضا میں ہر ذی حس سانس لیتا ہے جس کے بغیر نہ تو دنیا میں

ٹھکانا ہے نہ عقبیٰ میں آسرا بھی جس کے اہل کم اور نااہل بہت ہیں

وہ کون؟

"خدا کے حکم سے بعد خدا میں جس کا بندہ ہوں"

بندۂ محبت

رضا

سیّد آل رضاؔ، رضا

(اگست سنہ ۱۶۲۲ع)

اُتر گیا، صَدقہ حُسن کا، مُبارک ہو
مبارک آپ کو، مرگِ رضا، مبارک ہو

وہ پہلی چوٹ، وہ احساسِ آمد آمدِ عشق
اُٹھا جو دَرد، تو دل نے کہا "مبارک ہو"

بچائے اب، نظرِ بد سے، میرے غم کو خُدا
خوشی حضور کو، اِس سے سوا، مبارک ہو

ہوئی ہے، نیم نگاہی سے، باز دید شروع
اس ابتدا کی، مجھے، انتہا، مبارک ہو

ملی تو دادِ وفا، اُن سے، تیرے بعد بھی
رضا، رضا، ہے زباں پر، رضا! مبارک ہو

عبادتیں، رضا، رنگِ شہادت بھر دیئے ہم نے
شہیدانِ وفا کی خاک پر سجدے کیئے ہم نے

دلنشیں جبدن سے تیرِ نازِ جاناں ہو گئے
اور بھی گہرے تعلقہائے پنہاں ہو گئے

داغ ماتھے کے چراغ راہِ ایماں ہو گئے
بُت کو سجدہ کرتے کرتے ہم مسلماں ہو گئے

وہ جوانی اور وہ اسکے واقعاتِ دلنواز!
آنکھ جب کھُل گئی خوابِ پریشاں ہو گئے

شہپر اُن کی جب بڑھا دی تھی زنجیر بھی
قید خانے جبکے اُٹھ جانے سے ویراں ہو گئے

میں سینہ تان کر رضوانؔ سے کہتا ایک اور
اُنکا خالی ہاتھ دکھلا کہ یکساں ہو گئے

آتے آتے آگئیں اُن کو ادائیں اے رضاؔ!
رفتہ رفتہ میری بربادی کے ساماں ہو گئے

اب جو زنداں میں ہوں داخل اسے کھڑکاتے جائیں
زینتِ در مری اُتری ہوئی زنجیر رہے

انتظار آپ کا پتھرائی ہوئی آنکھوں میں
مہرباں یادِ یہ مٹتی ہوئی تصویر رہے

شوخیٔ صبحِ تبسم میں وہ کچھ مستور ہے
ہوش اُڑتے جسکے پکار اُٹھا کہ برقِ طور ہے

المدد اے شوقِ جنوں افزا کہ ہم ناکامِ عشق
تھک کے بیٹھے جا رہے ہیں اور منزل دور ہے

داورِ محشر آتی ہے رحمت سے تیری مجھکو شرم
پھاند پڑنا خود جہنم میں مجھے منظور ہے

عمر بھر ہمکو لہو رلوائیگی دمِ بھر کی چھیڑ
پہلے جو اک آبلہ تھا اب وہی ناسور ہے

اے رضا الفت کے متوالوں میں دیوانوں کی طرح
ہنسکے رونا رو کے ہنسنا کچھ عجب دستور ہے

یہی اچھا ہے، جو اس طرح مٹائے کوئی
آپ بھی پھر مجھے ڈھونڈھے تو نہ پائے کوئی

پڑھ لے قسمت کا لکھا، دیکھ لے یا، اپنی طرف
اُن کو، پھر، موردِ الزام بنائے کوئی

قید مضبوط ہے، پابندِ سلاسل کی نہیں
پاؤں سے، عادتِ رفتار چھڑائے کوئی

کوندتی برق، نہ دیتی ہو جہاں، فرصت دید،
تاب کیا ہے؟ جو وہاں آنکھ اُٹھائے کوئی

آنکھ سے گر کے، یہ کہتا ہے، سرشکِ خونیں،
دل میں سو داغ ہیں، کس کس کو دکھائے کوئی

بندشیں، عشق میں، دُنیا سے نرالی دیکھیں
دل تڑپ جائے، مگر، لب نہ ہلائے کوئی

یہ خموشی ہے مری، حسرتِ مُردہ کا مزار
اِک ذرا، فاتحہ پڑھتا ہوا جائے کوئی

عمر بھر، مجھکو، رضا، عشق میں، رتے گذری
بچ سکے گر، تو کبھی، دل نہ لگائے کوئی
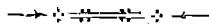
مرحبا! خوب کیا، رنج سے آزاد مجھے،
یوں مٹایا ہے کہ مٹنا بھی نہیں یاد مجھے

آگ سینہ میں لگی، باغ سے اُٹھنا ہے محال
آشیاں میرا دکھا دے مرے صیاد مجھے

زندگی دل کیلئے، دل ہے محبت کیلئے
ایک تم یاد ہو، اور اک یہ سبق یاد مجھے

پھر، پتہ پوچھتے آتے ہیں، مری تُربت کا
میں تو سمجھا تھا کہ بس، کر چکے برباد مجھے

تم، وہ تم ہی نہ رہو، بھول سکوں گر تم کو
میں، وہ میں ہی نہ رہوں، تم جو کرو یاد مجھے

بڑھتا جاتا تھا، رضا حسنِ شبِ مہ جتنا،
اور آتا تھا مرا وعدہ شکن یاد مجھے
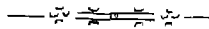
بجلیاں کوندتی ہیں طور کی خاکستر میں
محنتِ عشق، کسی حال میں برباد نہیں

بجھ گیا دل جو قفس میں، وہ نظر ہی نہ رہی
آشیاں باغ میں کس جا تھا کچھ اب یاد نہیں
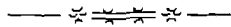
مُردہ دل کو خلشِ غم سے سروکار نہیں
گل ہی جب گل نہ رہا، خار بھی پھر خار نہیں

ہو اجازت تو ابھی چیر کر دل دکھلا دوں
خون عنقا ہے، ترا تیر خطا وار نہیں

مجھ پہ رحمت کی نظر پڑتی ہے تخصیص کے ساتھ
شکر ہے مجھ سے سوا کوئی گنہگار نہیں

عشق کی شان جنوں، حسن کی خو ناز و غرور
آپ مجبور ہیں، بندہ بھی خطا وار نہیں

جھومتا جاتا ہے قیدی سوئے زندانِ وفا
نغمۂ ساز ہے، زنجیر کی جھنکار نہیں

اے رضاؔ! لائے کہاں جنسِ وفا؟ آؤ، چلو
سرِ بازار رہے، کوئی بھی خریدار نہیں

وہ کہے کیا؟ کچھ نہ آئے جس کو، منّت کے سوا،
پھر تو نہیں، منّت کریں گے ہم، خفا ہو جائیے
اپنی ہی آنکھوں نہیں، جب کھٹکے، رضاؔ! اپنا وجود
آپ ہی، اپنے گناہوں کی سزا ہو جائیے

مایوسِ خود بخود، دلِ اُمید وار ہے،
اس گل میں بُوخزاں کی ہے، رنگ بہار ہے

صحرا میں مٹ کے قیس نے پھونکی ہے تازہ رُوح
ہر ذرّۂ غبار دلِ بیقرار ہے

سُن لیتا ہوں کہ پھول کھلے، آشیاں جلے
ذکرِ بہار قید میں خوابِ بہار ہے

طے ہو چکیں، شکستِ تمنّا کی منزلیں
اب اسکے بعد، گریۂ بے اختیار ہے

اُس بیوفا سے کرکے وفا، مر مٹا رضاؔ،
اِک قصّۂ طویل کا یہ اختصار ہے

ظلم پر یوں ظلم، فرصت ہی نہیں فریاد کی!
بانیِ بیداد! آخر حد بھی کچھ بیداد کی؟

ہے قفس میں یادِ گل بھی، اک چھری میرے لئے
میں ادھر تڑپا، اُدھر تیوری چڑھی صیاد کی

ہم بھی قائل رہ چکے ہیں اختیارِ ضبط کے
ہو گئے کچھ ایسے ہی مجبور جب فریاد کی

خون کے دھبے قفس کی تیلیوں پر، لکھ گئے
داستاں اک پرشکستہ آشیاں برباد کی

اے رضا! کٹتی ہیں تنہائی میں کیونکر، دیکھئے!
منزلیں، تاریک بے دیکھی عدم آباد کی

"شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن"

مر رہوں، یہ بھی مری محروم قسمت میں نہیں

مسکرا ہی دو، اگر پرسانِ حالِ دل نہ ہو،
اتنی گنجائش بھی کیا رسمِ مروّت میں نہیں ؟

ہیں محبّت میں، مزے دُنیا کے لیکن اے رضا !
ایک ہی جانب سے جو ہو، اُس محبّت میں نہیں

سمجھے ہوئے تھا کشمکشِ انتظار کو
دی جان نذرِ وعدۂ فردائے یار کو

نیرنگِ بزمِ دہر طلسمِ فریب ہے
لیکن، میں کیا کروں، نگہِ اعتبار کو

دعوائے عشق بھی ہے، تمنائے لطف بھی
دورِ خزاں میں ڈھونڈھ رہا ہوں بہار کو

وہ بھی کوئی سکوں ہے، جو بیچارگی سے ہو
دیکھا کیا میں، گردشِ لیل و نہار کو

انکارِ قتل، یوں نہیں زیبا ہے میں نثار!
قابو میں کر تو، نگہِ شرمسار کو

ہو آخر شباب میں بھی، دورِ جامِ عشق
کرلیں وداع، دھوم سے، جاتی بہار کو

پایا رضائے دوست میں وہ لطف اے رضا!
مجبوریوں پہ، صدقہ کیا، اختیار کو

انجام سے، یاد آتا ہے، آغازِ محبّت،
سب کچھ ہے، تھونے پہ، یہ حالت گئی گزری

چشمِ حسرت کو خدا رکھے، نہ پوچھے ساقی
ہم بھی دو جام بھر کے بیٹھے ہیں میخانے میں

پردہ اٹھ جانے پہ مٹ جائے گا اے لذتِ دید!
وہ جو اک لطف ہے بجلی سی چمک جانے میں

زندگی دیکھ کے ہر دور سے ٹکراتی ہے
اپنی تصویر چھلکتے ہوئے پیمانے میں

کیا یہ کہوں کہ دوست، دلِ بے وفا نہیں
ہاہا، نہیں نہیں، گلۂ آشنا نہیں

ناکامیوں کا فرش سے ہے عرش تک ہجوم
جائے دعا کدھر، کہ کہیں راستا نہیں

کب تک پھروں یہ اُنکی امانت لئے لئے،
دل اب ہے اک وبال، کسی کام کا نہیں

ڈرتا ہوں یہ بھی ہو نہ کوئی پردۂ ستم
یوں آج مل رہے ہیں کہ جیسے خفا نہیں

بس ضبطِ آہ بس، وہ بہت بے خبر سہی
اب یہ غرورِ حُسن نہیں، یا رضا نہیں

رات ابھی باقی ہے دل کھو کے جل اے شمع!
ہے جو ابتک وہ ہوا وقت سحر ہو کہ نہ ہو

آئیے نزع سے پہلے تو کروں شکر ادا
آپ آئینگے مگر مجھ کو خبر ہو کہ نہ ہو

درد میں ضبط سے ہوتی ہے زیادہ تکلیف
آہ کرنے پہ ہوں مجبور، اثر ہو کہ نہ ہو

جو دم گیا، وہ نہیں پھر پلٹ کے آنے کا
یہ اِک بدلتا ہوا دور ہے زمانے کا

وہیں جھکے گا یہ سر، کھائی ہو جہاں ٹھوکر
کہ حوصلہ ہے ابھی قسمت آزمانے کا

قفس نصیب کی چشمِ پُرآب کے ڈورے
پتہ بتاتے ہیں، برباد آشیانے کا

وہ تیری بزم میں کس دل سے اور کہاں بیٹھے
جسے، ہو پہلے سے دھڑکا، اُٹھائے جانے کا

رضاؔ! وہ آچکے، اُٹھو، خدا کو یاد کرو
کہ وقت آگیا، تاروں کے جھلملانے کا

ہوائے شوق ہیں گر، دل، رواں دواں ہوتا،
سببِ تباہیِ کشتی کا، بادباں ہوتا،

قفس سے چھوٹ کے، گلشن، نظر میں، صحرا ہے
چمن، چمن تھا، سلامت جو آشیاں ہوتا

ہے جذبِ شوق میں پنہاں، جنونِ یکرنگی،
نکلتا قیس، جو لیلےٰ کا امتحاں ہوتا

جلا رہے ہو کلیجہ، اور اُس پہ شکوۂ آہ!
نہ آگ سینہ میں لگتی، نہ یہ دُھواں ہوتا

رضا بنصیب کی گردش تھی، دونوں ہی میں شریک
وہ ہوتے دوست، کہ، دشمن یہ آسماں ہوتا

کہنا ہمارے بعد یہ، آتی بہار سے
تھے کچھ قفس نصیب، جو بیچارے مر گئے

کچھ ایسے گم ہوئے ہیں تجسس میں ہوش کے
تھے جو حواس، وہ بھی نہ جانے کدھر گئے

فریاد کر رہی ہے یہ ترسی ہوئی نگاہ
دیکھے ہوئے کسی کو، بہت دن گذر گئے

اللہ رے، بندوبست خود آرائیِ شباب!
غنچے، چٹک کے پھول بنے، اور سنور گئے

اک آگ سی لگی تھی، رضاؔ سر سے پاؤں تک
دو قطرے اشکِ خوں کے، بڑا کام کر گئے

دیکھو! دیکھو! اِک لطف غضب ڈھاتی ہے
پھر مری مُردہ تمنّاؤں میں جان آتی ہے

آس جب یاس کے انبوہ میں گھبراتی ہے
بجلی گھنگھور گھٹاؤں میں چمک جاتی ہے

ہٹ کے قبروں سے نظر پھیر کے جانے والو!
ٹھہرو! کچھ شہرِ خموشاں سے صدا آتی ہے

حیرتِ آئینہ ہے پرتوِ نیرنگِ جمال،
ہر ادا اک نئی تصویر دکھا جاتی ہے

جو مٹا بات پہ الفت میں، وہ منصور ہوا
ذرّہ ذرّہ سے "اناالحق" کی صدا آتی ہے

دل میں، اک بچ رہی تھی آرزوئے مرگ فقط
وہ بھی، اُجڑا ہوا گھر دیکھ کے گھبراتی ہے

زندگی، چشم و چراغِ نگہِ سطح پرست،
ایک پردہ ہے، جسے موت اُٹھا جاتی ہے

تیز نشتر ہے، بدلتی ہوئی رُت کی یہ چھیڑ
دیکھ، پابندِ قفس! دیکھ، بہار آتی ہے

یوں بھی، جل جائے گا پردہ، مری رسوائی کا
دیکھ، او ضبطِ فغاں! آگ لگی جاتی ہے

عشق میں، دیکھنا پڑتا ہے بہر حال، رضا
اپنی پھوٹی ہوئی تقدیر، جو دکھلاتی ہے

مظلوم بُت کے ظلم کا نقشہ دکھا دیا
دل نے، وہ آہ کی، کہ کلیجہ ہلا دیا

مجھ کو، مرے کریم نے، حد سے سوا دیا
سب کچھ دیا، جو اک دلِ بے مدعا دیا

اظہارِ شوق اِدھر، نہ اُدھر حُسنِ خود نما
یہ کس نے درمیان سے پردہ اُٹھا دیا

میں خود چلا تھا بزم سے تیری، خطا معاف
اک ہوک نے کلیجہ میں اُٹھ کر بٹھا دیا

یہ میرا حال، جس پہ ہنسی آ گئی تمھیں
اکثر اسی نے ہنستے ہوؤں کو رلا دیا

دیکھا، رضا! جو جب کے نظر حسن بے حجاب
جھپکا کے آنکھ، شرم نے پردہ گرا دیا

ڈرتا ہے، یہ بھی کہتے ہوئے، ایک بے قصور
پھر کیوں سنا؟ جو قصۂ غم ناگوار تھا

دیکھا وہ جلوہ، پھر نہ لباس مجاز میں
جسم اپنا، ایک سجدۂ بے اختیار تھا

تھپیڑوں کا موجوں ہی کے آسرا ہے
چل اے میری کشتی! خدا، نا خدا ہے

اِن آنکھوں سے، جو خشک نا سور سی ہیں
لہو ہو کے، برسوں مرا دل بہا ہے

ہر اک آس ٹوٹی، مگر جی رہا ہوں
نہیں تو، تو کس کا مجھے آسرا ہے

جھجکتی ہیں، اُٹھتے ہوئے سوئے گلشن
جن آنکھوں کے آگے نشیمن جلا ہے

محبت جو کی تم سے، دُنیا ہے دشمن
خطاوار سب کا، تمھارا رضا ہے

خدا ہے، اور مری تکمیل زندگانی کی،
کہ اب کمی ہے، فقط مرگِ ناگہانی کی

فریبِ ہوش کے پردے کی بات سمجھا کون؟
نگاہِ یاس نے ہر چند ترجمانی کی

جو بس چلے، تو ابھی اور ایڑیاں رگڑوں
وہ، سیر دیکھتے آئے ہیں سخت جانی کی

جنوں میں گھوسے مجھے خون کے تھے سب نااہل
جو کی، تو خارِ بیاباں نے، قدر دانی کی

کسی کو، فارغِ اندوہ پاؤں، تو پوچھوں
کہ اور بھی کوئی صورت ہے، زندگانی کی

بقیہ غزل صفحہ ۵۶ پر

غضب ہے اُنکی طفلی کا شباب آثار ہو جانا
قیامت، ارتقائے حسن کا اظہار ہو جانا

یہ ہے دہشت ہی دہشت ورنہ کوشش اور ناکامی!
قدم اُٹھنا، کہ پیدا سامنے دیوار ہو جانا!

اسے محشر خرامی کہکے رہجانا قیامت ہے
شباب! اور اُسپہ محوِ خوبیٔ رفتار ہو جانا!

تغافل تیرا ہے میرے ضبط کا اِک نام تھا ظالم!
لبوں تک آچلے نالے، بس اب ہشیار ہو جانا!

قسم تیری شرارت سے بھری نیچی نگاہوں کی
غضب ہے چاہنے والے سے آنکھیں چار ہو جانا

کسی کی کارسازی کا پتہ دیتا ہے آخر میں
مرے ہر کام کا آغاز میں دشوار ہو جانا

نہ بھولیگی، ترے بیمار کی، وہ آخری ہمت
سنبھالا لے کے، مرنے کے لئے تیار ہو جانا

شہید ناز! تیری بیگناہی کی شہادت ہے
ہمیشہ کو زمانہ بھر کا ماتم دار ہو جانا

رضا! سر رکھ دے سجدے میں، کہ پیغام شہادت ہے
نگاہِ نازِ قاتل کا، اُبھی تلوار ہو جانا

اُن کے ستم بھی کہہ نہیں سکتے کسی سے ہم
گھٹ گھٹ کے مر رہے ہیں عجب بے بسی سے ہم

یادش بخیر، دل کا خیال آ کے رہ گیا،
اس بے دلی میں جیتے ہیں کس بے جسی سے ہم

آ، موت! آ! کہ رونا بھی آتا نہیں ہے اب
اُکتا گئے ہیں اہلِ جہاں کی ہنسی سے ہم

جو دل میں تھا، وہ ملتا ہے ساتھ اپنے خاک میں
تم دُور، اور کہہ نہ سکے کچھ کسی سے ہم

غربت میں، کوئی پوچھنے والا نہیں، رضا
آ، دل لپٹ کے روئیں اِسی بیکسی سے ہم

وہ لطف آرزوئے مرگ اب کہاں؟ لیکن
ہے یادگار، یہ، گذری ہوئی جوانی کی

ہیں منفعل، نہ بجھی، اُنکے سیلِ اشک سے بھی
لگائی آگ، مری دُکھ بھری، کہانی کی

ہمیں کو، غیر بناتے، نہ بن پڑا تم سے
ہمیں کو، اپنا سمجھتے ہیں، بدگمانی کی

بتاؤ، عمرِ دوروزہ پہ ناز ہے کتنا؟
رضا، قسم ہے تمہیں مرگِ ناگہانی کی

دیوانہ نوازی کا، ہر حال میں ساماں ہے
برباد یہ گھر اپنا، دلچسپ بیاباں ہے

اِن سوگ نشینوں کی، یہ خود غرضی دیکھو
میں تیرہ لحد میں ہوں، اور گھر میں چراغاں ہے

زنجیر، نہ ہے بیڑی، ہل سکتے نہیں پھر بھی
میں ہوں، کہ کوئی قیدی، یہ گھر ہے، کہ زنداں ہے

رُت اور فضا بدلی، زنداں کی ہوا بدلی،
بیڑی کی صدا بدلی، دیوانہ پریشاں ہے

مَوت آئے، رضا کیونکر؟ بےوقت بلانے سے
میں خود بھی پشیماں ہوں، قاتل بھی پشیماں ہے

آگاہی رموز ہے، خود، پردہ دارِ حسن،
میں کچھ سمجھ چلا تھا، کہ دیوانہ ہو گیا

جو راز میرے دل کا، اور اُنکی نگہ کا تھا،
آکر زبانِ خلق پہ، افسانہ ہو گیا

کیوں ہنسکے کہدیا، "مرے دَر کا فقیر ہے"
میرا مزاج اور بھی شاہانہ ہو گیا

کلیوں کو کھلتے دیکھنے کا، ہوش ہے کسے؟
میں تو بہار آتے ہی، دیوانہ ہو گیا

رٹنا وہ چپکے چپکے، رضا، اُنکے نام کا
اتنا بڑھا، کہ نعرۂ مستانہ ہو گیا

یہی دنیائے الفت میں ہوا کرتا ہے، ہونے دو
تمہیں ہنسنا مبارک ہو، کوئی روتا ہے رونے دو

نہ چھیڑو خفتگانِ خاک کو، تربت نہ ٹھکراؤ
تھکے ماندے یونہی منزل پہ سوتے ہیں سونے دو

قسم لے لو جو شکوہ ہو تمہاری بے وفائی کا
کیے کو اپنے روتا ہوں، مجھے جی بھر کے رونے دو

ٹھہر کر تو سہی، خود سوگ لے بیٹھیں یا ہی جلیں
ابھی طوفان برپا ہے، مری کشتی ڈبونے دو

خدا کے واسطے! یہ خوابِ غفلت اے رضا کب تک
ارے تم تو اٹھو، قسمت اگر سوتی ہے سونے دو

بدل سکے کوئی جسے، وہ مزاجِ یار نہیں
ہزار بار نہیں، ہے، یہ، ایکبار نہیں،

کسی کے پاس ہو دل، اور کھائے پوری چوٹ
کمالِ عشق کا، مجنوں پہ انحصار نہیں

میں دل سے ہجر میں ہوں، جذبِ شوق کا ممنون
نگاہِ شوق کو، تکلیفِ انتظار نہیں

تمھیں نہ کہدو، کہ ہم تم کو کیا سمجھتے ہیں؟
ہماری بات کا تو، کوئی اعتبار نہیں

ہوئی، وہ کشمکشِ زندگی سے، بدمزگی،
کہ، اب تو، موت کی تلخی بھی، ناگوار نہیں

جو سن سکو تو مری داستاں ختم نہ ہو
نہ سن سکو تو کوئی حدِ اختصار نہیں

جو مجھ پہ ہنستے ہیں ہنس لیں، جو روتے ہیں رو لیں
کسی کی بات محبت میں ناگوار نہیں

رضا بغیر ۔ تری بزم میں ہے سناٹا
کوئی نہیں جو وہی ایک دلفگار نہیں

بچگیا ہیں، دلِ وارفتہ پہ الزام آیا
جس کو دیوانہ سمجھتا تھا، وہی کام آیا

اب وہ پیری میں کہاں خوابِ جوانی کے مزے
صبح وہ لطف نہ آیا، جو سرِ شام آیا

سوچ لیں یہ ابھی ہنس ہنس کے مٹانے والے
کون روئے گا؟ ہمارا جو کہیں نام آیا

دہر میں زلزلۂ حشر کی سی ہلچل ہے
آیا، آخر، دلِ بیتاب پہ الزام آیا

جانے اللہ ہی کس طرح کٹی ساری رات
ہوش اتنا ہے کہ غش ایک سرِ شام آیا

ہائے کیا وقت تھا، کیا کیف تھا، کیا عالم تھا
جب ترے لب پہ مرا پہلے پہل نام آیا

ہم گئے جان سے، اور ضد نہ جدائی کی گئی،
کھا لیا تیر کلیجہ پہ، تو آرام آیا

اے رضاؔ! پڑھ لو محبت کی نمازِ آخر
عصر کا وقت ہے، خورشید لبِ بام آیا
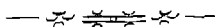
قسمت میں خوشی جتنی تھی، ہوئی، اور غم بھی ہے جتنا ہونا ہے
گھر پھونک تماشا دیکھ چکے، اب جنگل جنگل رونا ہے

ہستی کے بھیانک نظارے، ساتھ اپنے چلے ہیں دنیا سے
یہ خواب پریشاں اور ہم کو، تا صبح قیامت سونا ہے

دم ہے کہ ہے اُکھڑا اُکھڑا سا، اور وہ بھی نہیں آ چکتے ہیں
قسمت میں ہو مرنا یا جینا، اب ہو بھی چکے جو ہونا ہے

دل ہی تو ہے آخر، بھر آیا، تم چیں بجبیں کیوں ہوتے ہو؟
ہم تم کو بھلا کچھ کہتے ہیں، تقدیر کا اپنی رونا ہے

ہاں ذبح تو مجھ کو کر ہی چکے، اک کام ضروری اور بھی ہے
کیا سوچ رہے ہو، گھر جاؤ، یہ دامنِ پُرخوں دھونا ہے

غم کا ہیکا۔ یارو۔ ماتم کیا، بدلو گے نظامِ عالم کیا؟
مرنا تھا رضاؔ کو مرتا ہے۔ یہ کاہیکا رونا دھونا ہے؟
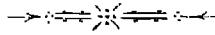
خاک ہی میں جو ملانا ہے، تو پھر کیوں احباب؟
اک تماشا سا بنائے لئے جاتے ہیں سب مجھے،

زندگی ختم جہاں کی، وہ جگہ پھر نہ ملی،
تیرے کوچے سے، اُٹھائے لئے جاتے ہیں مجھے
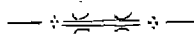
پڑھ کر مرا خط رونا، پھر ہنس کے یہ فرمانا
کہتے ہیں رضا جسکو، دیوانہ ہے دیوانا

ہنسنا ہو کہ ہو رونا، جینا ہو کہ مرجانا
ہے آج کی ہر حالت، کل کیلئے افسانا

جینا ہے یہی جینا، مر مر کے جئے جانا
امید کا قائل ہے، امید کا بر آنا

سمجھانے سے کیوں سمجھے، بیکار بگڑتے ہو؟
جب ہوش ہوا اتنا ہی، پھر کاہے کا دیوانا

اب ڈھونڈتے پھرتے ہو، پوچھا نہ کبھی پہلے
بیمارِ محبت کو راس آگیا مرجانا

ہے حسن کی خودداری، اظہارِ لطافت بھی
ہلکے سے تبسم کے پردہ میں وہ شرماتا

بعد اسکے نہ پھر ہوگی تکلیف عیادت کی
آئے ہو تو کچھ ٹھہرو۔ مرلوں تو چلے جاتا

ٹلجائے جو یوں سائل۔ دل توڑنے سے حاصل
کچھ دو کہ نہ دو لیکن یہ کہدو کہ "پھر آنا"

ہنسنے میں بھی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں
الفت میں۔ رضاؔ۔ دل ہے چھلکا ہوا پیمانا

اب آج میری طرح دکھ زدوں میں داخل ہے
جو چاہ پیار سے مانگا تھا، یہ وہی دل ہے؟

مسافرانِ لحد! جاؤ، ہم بھی آتے ہیں
وہیں سے مل کے چلینگے، جو پہلی منزل ہے

قیامِ حدِ نظر کہ نہیں، مگر پھر بھی
میں بڑھ رہا ہوں اس امید پر کہ منزل ہے

مبارک آپکو بزمِ خوشی، قصور معاف
میں کیا کروں مرے پہلو میں دکھ بھرا دل ہے

خدا پہ چھوڑ دو ڈوبے کہ پار ہو کشتی
رضا! نہ موجیں ہیں اپنی نہ اپنا ساحل ہے

رضا! کتنی حسین اور مختصر شرحِ محبت ہے
نہ راس آئے تو دو رُخ ہے، جو راس آئے تو جنت ہے

ارے جرمِ وفا! میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟
یہی سب کو عداوت ہے کہ اُن سے کیوں محبت ہے؟

نگاہِ لُطف کا تیری، بہت ممنون ہوں لیکن
مُروّت کے علاوہ اور بھی اک شے محبت ہے

انھیں مجبوریوں پر رحم کھا کر صبر کر یا رب!
وہ میرا ہو نہیں سکتا، مجھے جس سے محبت ہے

اسی میں پھول چُننا ہے، اسی میں خاک اُڑانا ہے
گلستاں، یا بیاباں، اب تو جو کچھ ہے محبت ہے

کوئی جا تجھ میں کیا ایسی نہیں؟ اے بیوفا دنیا!
جہاں نہ یہ رسم ہو، بدلہ محبت کا محبت ہے

کشاکش فیصلہ کر دے گی کچھ، دونوں کی طاقت کا
تری جانب زمانہ ہے، مری جانب محبت ہے

چڑھاتے جاؤ دو پھول، اور گراتے جاؤ دو آنسو
یہ خاک اُس کی ہے جس کا اول و آخر محبت ہے

مجھے برباد کر ڈالا، رضاؔ، میری محبت نے
اسی ظالم نے سمجھایا تھا، اُن کو بھی محبت ہے

دم لے او مرے ٹوٹے دل! دم لے، گھبرا کے بھلا کیا پائیگا؟
خیر! اُسکو بھلا دینگے دل سے، جتنا کہ بھلایا جائیگا

ہنستے ہو بہت جب کہتا ہوں، حال اپنے دلِ وارفتہ کا
روؤگے بہت جب بعد مرے، یہ تم کو سنایا جائیگا

در سے تو اُٹھا ہی تم نے دیا، تڑپوں بھی نہ میں ظلم ہے کیا؟
ٹوٹا ہے سہارا مدت کا، صبر آتے آتے آئے گا

سجدے ہی میں رہنے دے مجھکو، میں اے درگاہِ عفو و کرم!
شرمندۂ عصیاں ہوں مالک! اب سر نہ اُٹھایا جائیگا

کہتے تھے رضا! کمبخت رضا!! نااہل نہ فائدہ لیگا
اب کاہے کا رونا پچھتانا؟ جو جیسا کریگا، پائے گا

میرے مرتے دم تو کچھ پاسِ محبت کیجئے
آئیے، بیمار کو اب اپنے رخصت کیجئے

کیا گلہ اُنکا، مری قسمت میں لکھا تھا یہی
ایک نا اہلِ محبت سے، محبت کیجئے

جذبۂ ترکِ محبت ہی نے پھر سمجھا دیا،
حاصلِ ہستی محبت ہے، محبت کیجئے

کیجئے حسنِ محبت آشنا کو، دلمیں جذب
اور پھر اپنی محبت سے، محبت کیجئے

بس سمجھنے دیجئے اتنا، کہ اہلِ دل ہیں آپ
کون کہتا ہے، کہ اقرارِ محبت کیجئے

بیوفا، خودکام، مطلب آشنا، سب ہیں رضاؔ
کیا محبت کیجیے، کس سے محبت کیجیے
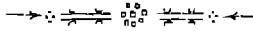
رضاؔ! یہ انقلاباتِ محبت کس غضب کے ہیں
اُمیدیں اُنسے جتنی تھیں، اب اُتنے اُنسے شکوے ہیں

نہیں اسوقت بھی کوئی ہمارا پوچھنے والا
لئے اپنی محبت کا جنازہ کب سے بیٹھے ہیں

بھلا کے سویرا کرتے ہیں، اِس دل کو انھیں کی باتوں میں
دل جلتا ہے اپنا جگنو کی طرح، برسات کی بھیگی راتوں میں

کچھ میری نظر نے اُٹھ کے کہا، کچھ اُن کی نظر نے جھک کے کہا
جھگڑا جو نہ برسوں میں چکتا، طے ہو گیا باتوں باتوں میں

ہے دل کو اجیرن گھر کا سکوں، یاد آتا ہے وہ عہدِ جنوں
سو بار تپے میدانوں میں، سو بار گھرے برساتوں میں

یہ پاس کا سننا تو نہ تھا، جب آس لگائے سنتے تھے
مانا، کہ تھا دھوکا ہی دھوکا، اُن میٹھی میٹھی باتوں میں

تم جتنا خفا ہوتے ہو سوا، بڑھ جاتی ہیں بیدیں دل کی
بادل کی گرج، بجلی کی چمک دیکھی ہے بھری برساتوں میں

اک خواب سا میں نے دیکھا تھا، ہاں سچ ہی تمھیں کیوں یاد آئے
باتوں کا وہ بڑھنا راتوں میں، راتوں کا وہ کٹنا باتوں میں

چھیڑو نہ مجھے اے ہمنفسو! جس سوچ میں ہوں بیٹھے رہنے دو
انجام میں چُپ ہو جانا ہے، کیا وقت گنواؤں باتوں میں؟

ہے سب سے نرالی شان اِسکی، کیا شے ہے جوانی کا موسم
یہ جیٹھ کا ایسا تپتا ہے، برسات کی بھیگی راتوں میں

ہشیار ارے صبا پھر انکی گلی! دل لاکھ کہے جاتی ہو کہاں؟
خود کہتے ہو جسکو دیوانہ، آتے ہو اُسکی باتوں میں

ہوش میں ہوں اور سب کہتے ہیں دیوانا مجھے
ہائے اے دل! یہ بنا رکھا ہے تو نے کیا مجھے

اپنی تدبیروں کی ناکامی سے تنگ آ کر چارہ گر
دینے بیٹھا ہے مری تقدیر کا پرسا مجھے

تھا سکونِ دل کے خاطر، تیر باراں سے ظلم
ہائے! وہ پھر کھٹ کے اُنکا دیکھتے جانا مجھے

ابتداءً ہوک اُٹھی تھی، ٹیس اب گر گئی ہے
تو بتا اے دل! کہاں کے درد نے مارا مجھے

اے مرے اکھڑے ہوئے دم! اور تھوڑا ساتھ دے
کھینچنا ہے یادگار ہائے کا نعرہ مجھے

دل فرشتوں کے بھی کانپ اُٹھے مرے انجام پر
پڑھ کے میرا نامۂ اعمال جب دیکھا مجھے

اے دلِ شوریدہ دینے والے کیا میں تجھ کہوں؟
یہ امانت سونپ کر کس کام کا رکھا مجھے

ہر قدم پر اس تماشہ گاہِ عالم میں، رضاؔ
چشمِ حسرت نے دکھائی، اک نئی دنیا مجھے

پردۂ محمل نظر آتا ہے آج، اُلٹا ہوا
صاحبِ محمل پریشاں ہے، کہ مجنوں کیا ہوا!

اعتبار! او رایک نااہلِ وفا پر اعتبار!
جا! خیالِ عہد و پیماں جا! مجھے دھوکا ہوا

درد اسکا لا دوا تھا، خو نہ تھی اسکی سکون
شک دلا تا ہے بُرے۔ بیتاب دل ٹھہرا ہوا

وہ زمانہ، جب اسی دل پر تھی چشم التفات
خواب سا ہے آپ، لیکن بارہا دیکھا ہوا

صبر آجائے جو ناکامی رہے اک حال پر
رنگ جب قسمت نے بدلا مجھ کو کچھ دھوکا ہوا

رحم کر اے جاننے والے! رحم کر، پھر بجھ چلا
پھر تڑپ اٹھنے پہ آمادہ ہے دل ٹھہرا ہوا

ایک دیوانے کو دیکھا، پیچھے پیچھے آپ کے
ہنس کے بیٹھا نقش پا چوما، چلا روتا ہوا

حسن کو محدود کب کرتا ہوں، لیکن ہر حسیں
اُتنا ہی دلکش ہے جتنا تجھ سے ہے ملتا ہوا

اے رضا۔ دیکھو نہ اس شعلے کے لہرانے کی سیر
جھلملایا جب چراغ آرزو ٹھنڈا ہوا

جو نہ سمجھے اُس سے حسرت کیا کہوں
کیا کہوں، اے جوشِ اُلفت! کیا کہوں

سجدے، اور اک سنگدل کا آستاں،
کسجگہ پھوٹی ہے قسمت، کیا کہوں

جو کہا، پایا اُسی کا، کیا جواب
تجھ سے، اور، او بیمروّت! کیا کہوں

ہر نظر، کرتی ہے دل کو بیقرار
ہے یہ اُلفت، یا عداوت، کیا کہوں

خوش رہیں آپ، اور، ہمیشہ خوش رہیں
آپ سے، اپنی مصیبت، کیا کہوں

لاکھ ارمانوں کی، اِک ٹوٹی سی قبر
دل کہاں ہے، دل کی حالت کیا کہوں

جب نہ سُننے دے ندامت، کیوں سنو!
جب نہ کہنے دے مروّت کیا کہوں

اے رضاؔ! اِس پرسشِ بے سود پر
ہے یہی کہنا غنیمت، "کیا کہوں"

زمانہ لطف کا پھر کب ہے اگر شباب نہ تھا
تجھی کو ہوش، دلِ خانماں خراب! نہ تھا

ہم اک اشارے پہ کتنے سوال کر بیٹھے
کسی سوال کا لیکن، کوئی جواب نہ تھا

اُدھر نہ تھا جو احساسِ شوق کا، پردہ
مری نگاہ کی حد تک کوئی حجاب نہ تھا

امیدِ چشمِ وفا پر مٹائی تھی ہستی
وگرنہ دل کا گنوانا کوئی ثواب نہ تھا

یہ کیوں ہے آپکی خموشی کا ہر جگہ چرچا
مرا سوال تھا، میں لائق جواب نہ تھا

سنا ہے نیک بھی لائے بخشش! بہت سے تھے
میں کیا کروں، مرے قابو کا انتخاب نہ تھا

بتا دیا ارنی گوئے طور کے غش نے
سوالِ طاقتِ دیدار کا جواب نہ تھا

کہاں سے لائے وہ سوئے ہوئے زمانہ کو
جو آنکھ کھلنے پہ سمجھا کہ وقتِ خواب نہ تھا

قبول جرم، مگر اتنا کہنا ہے مالک!
کہ میرے بس میں دلِ خانماں خراب نہ تھا

وہ چپ سوالِ رضا پر، رضا خموشی پر
کسی طرف سے کسی بات کا جواب نہ تھا

سود و زیاں کو دخل کیا محویتِ نماز میں
میرا خدا ہے اور میں، سجدہ گہِ نیاز میں

بیکئہ زر ہے داغ رحیں چشم گدا نواز میں
دستِ تہی کی شان دیکھ، سجدۂ بے نیاز میں

لہر بڑھی ہے شوق کی، میرے دلِ گداز میں
کوندرہی ہے برقِ ناز، آئینۂ نیاز میں

لطفِ کشمکشی نہ پوچھ، تازہ بتازہ نو بہ نو
کتنی ہیں شوخ جدّتیں طبعِ ستم طراز میں

جلوہ پرستیوں میں فدا، اور جلا بڑھا گیا
عکسِ حقیقت آشنا، آئینۂ مجاز میں

تو ہی بتا، ترے سوا، یاد دلائے، مجھکو کیا؟
تیرا بھرا ہوا اثر، نغمۂ دلگداز میں

شوکتِ تاجِ غزنوی، دیکھ کے دنگ رہ گئی
تابشِ سجدۂ نیاز، خاکِ درِ ایاز میں

کام مرے، مرے بنائے، بن نہ سکیں خدا کرے
تو نہ کہیں تنگ آنہ جائے، قدرتِ کارساز میں

دیکھنا ہیں، وہ کروٹیں، لیکے جنھیں وہ چونک اُٹھے
صبحِ شعور ہے قریب حُسن ہے خوابِ ناز میں

حُسن کی جانفروزیاں، عشق کی جانفروشیاں
رقص کناں ہیں نیست مست صحنِ دلِ گداز میں

جذب کرم کا جوش تھا، کب مجھے ورنہ ہوش تھا
دستِ گدا پہونچ گیا، دستِ گدا نواز میں

چونکے ہو جس سے اے رضا! خواب تھا کہ نشہ تھا
کچھ ہے سرور، کچھ خمار، دیدۂ نیم باز میں
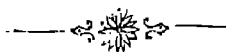
ہے چھیڑ امید کی پُرلطف، اشکوں کی روانی میں
شعاعیں چاند کی جس طرح کھیلیں بہتے پانی میں،

دیا تھا بوجھی دل پر، سا تھ اک حسرت بھرے دل کے
ترے صدقے، مرے آسان کر نیوالے مشکل کے!

مری آہوں پہ کیا ہنستے ہو؟ جب ہے بے اثر الفت
قدم بہکے ہوئے پڑتے ہی ہیں گم کردہ منزل کے

تھا آسان کچھ دم توڑنا کانٹوں کی نوکوں پر
بڑی مشکل سے نکلے چھالے حسرت بھرے دل کے

نشاں جو یادگار تھا غریق جوش طوفاں کا
وہ کفن موجوں نے لا کر رکھ دیا دامن پہ ساحل کے

اس آزادی پہ قیدی کے لہو برسا، ہوا ماتم
گلے جب خون میں ڈوبے ہوئے حلقے سلاسل کے

شقاوت پر اثر غالب ہے میری بے گناہی کا
کہ آنکھیں بند ہیں اور کانپتے ہیں ہاتھ قاتل کے

تھمے طوفاں ہٹے موجوں کی چادر، تو کھلیں آنکھیں
نگاہوں میں ابھی دھندلے سے کچھ نقشے ہیں ساحل کے

تھکا ماریں گے دوڑا کر امید و بیم کے چکر،
کہ بجھ جاتے ہیں جل جل کر چراغ آثار منزل کے

زباں صرف دعا، سجدے میں سر، اور خاک پر سجدہ
ہوئے ہوں گے کم اتنے خیر مقدم تیغ قاتل کے

رضا، انجام ہے پیش نظر، اور بس نہیں چلتا
تماشے دیکھتے ہیں ہاتھ سے جاتے ہوئے دل کے

جنھیں آنا تھا آ پہونچے جنھیں جانا ہی جاتے ہیں
رضاؔ اٹھو۔ سحر ہوتی ہے۔ تارے جھلملاتے ہیں

ہم اپنے ضبط کی جب اہل دل سے داد پاتے ہیں
امنڈتا ہے کلیجہ، آنکھ میں آنسو بھر آتے ہیں

نہیں جب معرفت منزل کی، لا حاصل تگ و دو ہے
بگولے بنکے جو اُٹھتے ہیں تھک کر بیٹھ جاتے ہیں

رخِ روشن کی تابش تہ بتہ پھوٹی نکلتی ہے
یہ پردے، کیا کہیں، اے چھپنے والے! کیا دکھاتے ہیں

نہ مل سکنے کا جن سے، فیصلہ قسمت نے کر ڈالا
وہی اس یاس کے عالم میں، پہروں یاد آتے ہیں

ستمگر، او دیکھ، مظلوموں کی مجبوری قیامت ہے
جو خود رونے نہیں پاتے ہیں، اوروں کو رُلاتے ہیں

پڑھیں گروہ، نجانے کیا پڑھیں اور پڑھ کے کیا سمجھیں
کچھ آنسو دیکھنے دیتے نہیں، ہم لکھتے جاتے ہیں

وہاں اسکی نہیں پروا، کہ وقتِ نزع نازک ہے
یہاں یہ آسرا ہر دم، اب آتے ہیں اب آتے ہیں

جہاں سے بوریا پھینکا گیا تھا دُور بکل اپنا
رضاؔ ہم آج اسی چوکھٹ پہ پھر دھونی رماتے ہیں

اک آن صبح کے ساتھ، ایک شانِ شام کے ساتھ
بنا بھی حسن، تو کس حسنِ انتظام کے ساتھ

جگہ دو بزم میں ہم کو بھی، پھر اُٹھا دینا
سلوک خاص، مزہ دے گا لطفِ عام کے ساتھ

ملا یا لیلیٰ و مجنوں کو یوں جدائی نے
ہے ذکر ذکر کے ساتھ، اور نام نام کے ساتھ

کرم نما ہے ستم، اور ستم نما ہے کرم
وفا کی داد ملی ہے کس اہتمام کے ساتھ

جواب، خیر، نہ دیتے، مگر یہ کیوں سمجھے؟
کہ عرضِ حال بھی مطلوب ہے سلام کے ساتھ

نہیں نوشتۂ قسمت کا علم، اس کے سوا
کہ میرا نام بھی لکھا ہے، اُن کے نام کے ساتھ

خوشی سے پی گئے تھے ہم، خوشی کے جو آنسو
نکل رہے ہیں وہی جوشِ انتقام کے ساتھ

بیانِ غم میں، زباں رُکتے ہی، گرا آنسو،
تمام حال ہوا، عرض نا تمام کے ساتھ

قبول ہونے نہ ہونے کی کوفت سہتا کون؟
رضاؔ نے جان انھیں نذر دی سلام کے ساتھ

دل کش نہ رہا، ولولۂ دل بھی نہیں ہے
آنکھوں میں ہے تصویر، مکاں ہے نہ مکیں ہے

اظہارِ محبت پہ بگڑتے ہو۔ بگڑ لو
تحریکِ ترنّم کی یہی چینِ جبیں ہے

دُکھ درد کا مارا ہوا کچھ تم سے کہے گا،
سُن لو جو کبھی، کوئی بڑی بات نہیں ہے

صبا دے کے اقبال کو دیتا ہوں دُعائیں
ہر دام کا حلقہ مری نظروں میں حسیں ہے

دیوانہ ہوں، کھویا ہوا دل ڈھونڈھ رہا ہوں
ہر حُسن کے جھرمٹ پہ یہی دھوکا کہ یہیں ہے

ہے نزع کا ہنگام، خدا حافظ و ناصر
اے چارہ گرو جاؤ! بس اب درد نہیں ہے

یہ جسم کا احساس ہے، یا حسرتِ تکمیل،
جب دیکھئے، ہر کردہ گنہ چیں بجبیں ہے

اُس در سے اُٹھائے گئے جس دل کی بدولت
اب ہم ہیں یہاں اور وہ کمبخت وہیں ہے

کیسا یہ تغافل؟ ترے پہلو میں مری جان!
بے حس ہی سہی، پتھر سہی، دل ہے کہ نہیں ہے

در تیرا سلامت، مرا سجدہ بھی سلامت
اب اتنی زمیں میری ہے جو زیرِ جبیں ہے

دنیا کو ہنسانا تھا ہمیں، مرگِ رضا پر
ہنستی ہوئی دنیا میں جو اب سوگ نشیں ہے
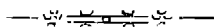
چلے تھے، اک نظر، تیری بزم دیکھ آئیں
یہاں جو آئے، تو بے اختیار، بیٹھ گئے،

ہے تیری بزم سے مطلب نہیں ہے فرش سے کام
جگہ، جہاں کہیں ملی، خاکسار، بیٹھ گئے
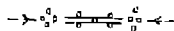
وفا خطا تھی، خطائیں نے زندگی بھر کی
اب اس کے آگے جو مرضی ہو بندہ پرور کی

اُسی جگہ ہوئی منزل جہاں پہ ٹوٹی آس
تھکا کے ڈالتی ہیں گردشیں مقدر کی

تلاش میں ادب آموز کے پھرا، چوکا
تمیز سجدہ سکھاتی زمیں ترے دَر کی

گئے تم ایک، مگر یوں لگا کہ کر گئے تنہا
تمہارے ساتھ گئیں، خوبیاں مقدر کی

خطا معاف، نگاہوں کو کھینچ لیتا ہے حُسن
خطا معاف، یہ آنکھیں نہیں ہیں پتھر کی

لحد پہ چادرِ گُل اور زمیں پہ ہے فرش
نئی طرح کی سجاوٹ بھی ہے، نئے گھر کی

نجانے مَوت سے کیسی بنے، خدا کی پناہ!
یہ کوفت آٹھ پہر، بلکہ زندگی بھر کی

یہی ہے داورِ محشر! یہی ہے عدل کی شان
شہیدِ ظلم کا قصہ، زبانِ خنجر کی

ترے لئے ہیں نئے دورِ ساغرِ عشرت
مرے لئے ہیں یہی گردشیں مقدر کی

جگہ اُمید کی، آخر کو، یاس نے لے لی
فضا بدل گئی، دنیائے یادِ پرور کی

دہائی، جذبِ محبت! تری دہائی ہے
ارے وہ لے چلے رونق مرے بھرے گھر کی

جو مجھ پہ گذری محبت میں، کوئی کچھ نہ کہے
بُری بھلی، یہ بضاعت ہے، زندگی بھر کی

جدا ہوا تھا جو سجدہ میں صبر و شکر کے ساتھ
اُسی نے سجدہ سکھایا، قسم اُسی سر کی

رضا، جلی تھی دمِ مرگِ نامراد جو شمع
بجھی پڑی ہے اداسی بڑھا کے بستر کی

(بغیر عطف و اضافت فارسی)

چاہے جدھر کو آزادی سے، کوئل جائے، پپہا آئے
کالی گھٹا آ آ کے قفس پر آپ بھی رٹتے ہیں پی والے

دلکی لگی یوں پھونک دے مجھکو، گھر سے باہر آنچ نجائے
انکے دشمن کیوں غم کھائیں؟ پھول سا چہرہ کیوں کمہلائے؟

عشق میں تم آزاد ہو جتنے، اتنے کیوں مجبور ہیں ہم؟
دل میں رہو، آنکھوں میں سماؤ، پھر بھی لب پر نام ترا آئے

آئے دن کا رونا جائے، اے دل! انکو بھول ہی جا
زہر دوا ہے تیرے حق میں، جینا جب دوبھر ہو جائے

اسمیں جھلک ہے کچھ تیری سی اسکے لئے ہو میری نگاہ
بس جو ہو دنیا کی آنکھوں سے "حیا" نہ کوئی دیکھنے پائے

یاس ہیں امیدوں کا مٹنا، یاد آتے ہی دل اٹڈا
خشک آنکھوں میں بھر آئے آنسو موت کا جیسے پسینہ آئے

دیکھیں حیا کی شوخی دیکھیں، تیرے فدا ہاں ہم دیکھیں
خنجر جیسے ترچھی نگہ سے آنکھ ملائے اور شرمائے

ہوش کرے غمخوار ٹھکانے، سوچے اپنے بس کی بات
مرنے والے کو کیوں روکے! جانے والے کو ٹھہرائے

شرم کہاں کی شرم گنوا کر، یہ بھی مارے قسمت کی
بھیک جو تو مانگی لینے میں ہاتھ بڑھائے اور شرمائے

حُسن کی گرمی، نئی جوانی، پہلی محبت، نازک دل
جلتی تپتی ریت پہ گر کر جیسے تازہ کلی کمھلائے

ہنسنے والو! کیا ہنستے ہو؟ کہہ تو چکا تھا تم سے رضا
اُس سے دل کا حال نہ پوچھو، جو دل دے کے سُتری کہلائے

ہاں، اور جس طرح بھی ہو، تڑپائیے مجھے،
کچھ ایسا کیجئے، کہ نہ یاد آئیے مجھے،

اب کیوں ہے انفعال، جو آنسو ٹپک پڑے
میں نے تو کہہ دیا تھا، نہ سمجھائیے مجھے

وفا پر جان دیکر مورد الزام الفت ہوں
زمانہ مدعی ہے وہ گنہگار محبت ہوں

دکھے کتنا ہی دل، منہ سے دعائیں ہی نکلتی ہیں
بنے جو لب پہ آکر شکر وہ حرف شکایت ہوں

خدا رکھے سلامت دل دکھا کر ہنسنے والوں کو
گرفتار مصیبت ہو کے بھی وجہ مسرت ہوں

صدائے الاماں آتی ہے مجھکو ہر بن مو سے
میں اپنے نامۂ اعمال کی فرد ملامت ہوں

مجھے آئے نہ کیونکر پیار! اپنی خوار ہستی پر
جو رخ پہ آنکھ سے ڈھلکا ہو، وہ اشک ندامت ہوں

مٹا ئیں مجھکو نا اہلِ محبت میں کہے جاؤں
قسم اہلِ محبت کی، محبت ہوں، محبت ہوں

سجا ہے جو تمھارے ذکر سے ہوں میں وہ افسانہ
تمھارے واسطے، ہائے بھولنے والی حکایت ہوں

وہ دن آنے تو دو، خود ہاتھ باندھے بڑھکے کہدونگا
سزا دے داورِ محشر! گنہگارِ محبت ہوں

اُداسی مجھ پہ چھائی رہتی ہے گورِ غریباں کی
میں اپنے حوصلوں کی اپنے ارمانوں کی تُربت ہوں

نہ رہ سکتی ہے حالت نہ مٹ سکتی ہے یہ ہستی
حوادث کو جسے قسمت نے سونپا وہ امانت ہوں

رضاؔ! میں تا دمِ آخر پرستارِ محبت تھا
وہ صورت اب نہیں باقی تو مسجودِ محبت ہوں
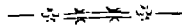
یوں مٹی کشمکشِ عشق میں ہستی دل کی،
دیکھی جاتی نہیں، اُجڑی ہوئی بستی دل کی

سیکڑوں خواب نظر آتے ہیں بیداری میں
اللہ! اللہ!! یہ اوہام پرستی، دل کی!

دفعتہً جا کے پھر نہ پلٹے نگاہ!
کششِ حسن! اے معاذ اللہ!

دل بھی، اُنکی طرح، خفا ہے، تو ہو،
دم میں جب تاب ہے دم، کرینگے نباہ،

ہم نے اس بُت کے مُصحفِ رُخ پر،
اِک نظر کی ہے، کہہ کے بسم اللہ

ذکر ہے، کشتگانِ اُلفت کا،
آنکھ سے اشک، دل سے نکلے آہ

ایسا منظر، خدا نہ دکھلائے
دیکھ لو آ کے، میرا حالِ تباہ

ہے دوا کی، نہ چارہ گر کی تلاش
درد ہم کو ملا ہے، خاطر خواہ،

آشیاں کی بنا، اِدھر رکھی،
برق اُدھر بولی ہنس کے بسم اللہ،

دید کی لذت صحیح ہے جب،
پاک نیت، جھجکی کھلی ہو نگاہ،

دل کو دم توڑتے بھی دیکھ چکا،
اور کب تک جیوں گا، یا اللہ

روکتا ہوں کہ وہ نہ ہوں بے چین
آہ! اور وہ بھی میرے دل کی آہ،

مسلکِ اہلِ دل، محبت ہے،
دل کیا نذر، فی سبیل اللہ

دے زمانہ، خوشی میں اُن کا ساتھ
مجھ کو کافی ہے، میرا حالِ تباہ

پہلا آنسو گرا، جو الفت میں،
درد اُٹھ کر، پکارا "بسم اللہ"

بے حسی ہو، رضا، کہ بوالہوسی،
مذہبِ عشق میں ہے، سخت گناہ

جو مٹنے والی شے تھی مٹ گئی، اُس کا نہیں غم ہے
مگر پابندی ہی کیوں تھی آس ایسی؟ اِسکا ماتم ہے

مرے غم کی کہانی، کاٹ دی، کس کے تصور نے؟
چھلکتے ہیں کچھ آنسو، آنکھ میں، کچھ آستیں نم ہے

مٹایا ہے ہمیں نے اسکو، ورنہ کیا سے کیا ہوتی
ہماری داستاں، جتنا گلہ ہمنے کرے، کم ہے

ادا ہوتی چلی جاتی ہیں رسمیں زندگانی کی،
مگر جو حق ادا ہونے کا ہے، وہ اب بھی مبہم ہے

رضا! بس چُپ رہو، اب یہ کہانی ختم ہے خود ہی،
زباں بھی لڑکھڑائی جاتی ہے، اور وقت بھی کم ہے

بیٹھے بیٹھے، اِکدن، دل نے کہہ تو دیا "دہ آئینگے"
اتنا لیکن، یہ نہیں کھولا، کب تک راہ دکھائینگے

تیری بزم سے ہم کو مطلب؟ تیری نظر کو دیکھے ہیں،
جسکے سہارے، بیٹھے ہیں آکر، جب وہ کہے، اُٹھ جائینگے

تم کو کیوں ہے جانے کی جلدی، اِسکو کون سمجھتا ہے؟
دل دیوانہ، ہم دیوانے، جاؤ، ہمیں سمجھائینگے

نقش قدم پر اُنکے جس جا، پہلے پہل، سر رکھا تھا،
پھر جب ہوگا، اُدھر کا پھیرا، سجدہ کو جھک جائینگے

دادِ وفا کا وقت بھی اِک ہے، اب نہ سہی کچھ بعد سہی
دل سے بُھلانے والے اُنکو ہم سب سے سوا یاد آئینگے

ہوتا، زمانہ دشمن ہوتا، تم تو نہ دیتے، سب کا ساتھ
کس کے لئے، ہم مجرم ٹھہرے؛ کس کو، یہ سمجھائینگے

ہر جا، رہ کے، بڑھا سکتے ہیں ٹھوکر کھائے سر کا وقار
سجدے کرینگے نام پہ تیرے، در پہ تیرے آئینگے

بیٹھے ابھی ہیں تم کو بھلا کر، دیکھو! پھر یاد آتے ہو،
زخم ابھی ہیں دل کے، آئے، ٹھیس لگی، دکھ جائینگے

گھر سونا ہے، بن سونا ہے، ساری دنیا سونی ہے
دل کا سُکھ لیجانے والے، کیا، نہ پلٹ کر آئینگے!

جنپہ مٹا بیٹھے ہیں ہستی، شاد رہیں، آباد رہیں،
خیر، رضا، وہ چپ ہیں تو ہم بھی چپکے ہی اٹھ جائینگے

قطعہ

جو ہوتا ہمسرِ غالبؔ، تو میں یہ کہتا، کہ ہے،
رضاؔ برائے غزل، اور غزل برائے رضاؔ

نہیں ہیں ہیچداں کو، تعلّیاں زیبا
خدا نکردہ، رضاؔ، خود کرے ثنائے رضاؔ

زہے نصیب، کہیں ہمصفیر گلشنِ نظم،
کہ دلگداز، دل افروز ہے "نوائے رضاؔ"

گلہ نہیں، جو ہو خاموش، بولتی تصویر،
نہو، جو دل میں نہیں جا سکے، جائے رضاؔ

مجھے تو آتی ہے، جیسے، یہ میر کی آواز
"زمانہ کچھ سے کہے، دل اپنا، کیوں کڑھائے رضا"

"دوانہ، تجھ کو کہے ہیں، جو لوگ وے ہی میاں"
"پڑھینگے شعر ترے، اور کہینگے، "ہائے رضا"